© rasailojaraid.com

منصور اصغر راجہ

''بت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے''

حضرت بابا اشفاق احمدؒ نے ایک بار ٹی وی پروگرام ''زاویہ'' میں فرمایا کہ پاکستان کی مثال حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی مانند ہے۔ جب ان کی قوم اس پر مصر تھی کہ اگر آپ اور آپ کا رب سچا ہے تو پھر اپنے رب سے کہیں کہ وہ سامنے والے پہاڑ سے ایسی اونٹنی نکال کر دکھائے، جو باہر آتے ہی بچہ بھی دے۔ حضرت صالح علیہ السلام انہیں منع کرتے رہے، کہ ایسے معجزے کا تقاضا نہ کرو، لیکن قوم کا اصرار تھا کہ اگر آپ کا رب یہ معجزہ دکھا دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ گویا صورت حال کچھ یوں تھی کہ اللہ کے نبی اس معجزے کے حق میں نہ تھے، جبکہ قوم کا مؤقف اس کے برعکس تھا۔ یہ اختلاف اس وقت تک قائم رہا، جب تک اللہ کے امر سے وہ اونٹنی پہاڑ سے پیدا نہ ہوگئی۔ لیکن جب معجزہ رونما ہوگیا تو پھر حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب اس اونٹنی کی حفاظت تم سب پر لازم ہے۔ بالکل اسی طرح ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء سے قبل پاکستان کے قیام کے بارے میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مدنیؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے علماءِ کرام کی رائے تقسیم کے حق میں نہیں تھی اور اس کے لیے ان کے پاس دلائل موجود تھے۔ دوسری طرف بابائے قوم محمد علی جناح اور ان کے رفقا کے سامنے ہندو کے تعصب و تنگ نظری پر مبنی کئی تلخ تجربات تھے، جن کی بنیاد پر وہ اسلامیان ہند کے لیے ایک الگ آزاد و خود مختار ریاست کا قیام چاہتے تھے۔ یہ اختلاف تب تک قائم رہا، جب تک پاکستان معرض وجود میں نہیں آ گیا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد یہی علماءِ کرام تھے، جو اپنے پیروکاروں کو اس نوزائیدہ مملکت کی خدمت اور حفاظت کی نصیحت کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت مدنیؒ تو پاکستان کو مسجد کی مانند قرار دیتے تھے کہ مسجد کی تعمیر کے موقع پر طرزِ تعمیر کے متعلق بنانے والوں میں اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن جب مسجد بن جائے تو پھر اس کی حفاظت سب مسلمانوں پر لازم ہے۔ اسی طرح مولانا آزادؒ کے کسی شناسا سول سرونٹ نے ان سے اپنے مستقبل کے حوالے سے مشورہ چاہا تو انہوں نے ان صاحب کو پاکستان جانے کا مشورہ دیا، کیونکہ ہندوستان کی نسبت اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کا نظام چلانے کے لیے افسران کی زیادہ ضرورت تھی۔

ہمیں یہ تمہید باندھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ گزشتہ کچھ عرصے سے بعض حلقوں نے یہ عادت سے بنالی ہے کہ وہ جب بھی طالبان کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کی بات اس مصرعِ طرح کے بغیر مکمل نہیں ہو پاتی کہ ''ان کے بڑے بھی پاکستان کے خلاف تھے۔'' اگرچہ مؤرخ تو یہ بتاتا ہے کہ ان اکابر کے تذکرے کے بغیر تو برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی تاریخ ہی نامکمل رہ جاتی ہے۔ آج طالبان کی آڑ میں جن علما پر زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے، وہ اس وقت بھی گورے حاکم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے تھے، جب پنجاب بھر کے گدی نشین اور سجادہ نشین جلیانوالہ باغ میں قتل عام کرنے والے گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈائر کی وطن واپسی کے موقع پر ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کر کے انہیں نم ناک آنکھوں کے ساتھ رخصت کر رہے تھے۔ بالاکوٹ اور شاملی سے جزائر انڈیمان و مالٹا تک قربانیوں کی ایک طویل داستان ہے، جو ہمیں بتاتی ہے کہ آزادیٔ وطن کے لیے علماءِ کرام نے کہاں کہاں اپنا لہو بہایا تھا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ہمارے ہاں بے چارے مولوی کو بات بے بات لعن طعن کرنا فیشن بن چکا ہے اور آج کل یہ کام طالبان کے نام پر کیا جاتا ہے۔ پہلے تو چند مذہبی بہروپئے اور کچھ تجزیہ کار ہی یہ راگ الاپ رہے تھے، لیکن اب تو چیئرمین پی پی بلاول زرداری نے بھی سندھ فیسٹیول کی اختتامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے یہ ''انکشاف'' کیا ہے کہ طالبان کے بڑے بھی قائداعظم کو کافراعظم کہتے تھے۔ ایک ایسے موقع پر، جب کہ مذاکراتی عمل شدید خطرات سے دوچار ہے۔ دشمن مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے بڑی مکّاری سے اپنے مہرے استعمال کر رہا ہے ایک قومی سیاسی جماعت کے سربراہ کی ایسی اشتعال انگیز گفتگو کیا پاکستان کے دشمنوں کا کام مزید آسان نہیں بنا رہی؟ کیا یہ ''آتش نوائی'' نفرتیں کم کرنے کے بجائے آگ کو مزید بھڑکانے کا سبب نہیں بنے گی؟ یہ سوال بھی کئی ذہنوں میں کروٹ لے رہا ہے کہ بلاول کی زبان سے کس کے مطلب کی بات کہلوائی گئی؟ کہیں اس ''شعلہ بیانی'' کے اندران کے لیے کوئی پیغام تو پنہاں نہیں، جو سات سمندر پار بیٹھ کر ہماری ڈوریاں ہلاتے رہتے ہیں؟ بعض سیانے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا پتہ بھی لگانا چاہیے کہ آج کل بلاول زرداری کے لیے تقریر کون لکھ رہا ہے؟ دلچسپ امر یہ ہے کہ علما کو پاکستان کی مخالفت کا طعنہ دینے والے بلاول جس طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں، قیام پاکستان سے پہلے اس کا نام انگریز کے خدمت گاروں کی فہرست میں سب سے اوپر ہوتا تھا۔ معروف بیوروکریٹ اور دانشور مرحوم الطاف گوہر نے اپنے مجموعہ مضامین'' لکھتے رہے جنوں کی حکایت'' میں مغربی پاکستان کے گورنر نواب آف کالاباغ سے اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ایک مرتبہ نواب صاحب نے مسلم لیگ سے پنجاب کے بڑے بڑے زمینداروں کا تعلق بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

''ہم لوگ چندہ تو مسلم لیگ کو ادا کرتے تھے، مگر ہماری اصل سیاست اپنے کمشنر کی سیاست تھی۔ ایمرسن صاحب جو کہہ دیتے، ہم وہی کرتے تھے۔ یہ لاہور کے ڈپٹی کمشنر کا گھر گورنمنٹ ہاؤس کے قریب ہی ہوتا تھا۔ یکم جنوری کی صبح کو ہم لوگ وہاں اکٹھے ہو جاتے تھے۔ بڑے بڑے طرے لگا کر، نیلے گنبد والے کپورتھلہ ہاؤس کی بنی ہوئی شیروانیاں پہنتے، ہر ایک زمیندار جس میں ٹوانے، نون، دولتانے اور ممدوٹ سب شامل ہوتے، اپنے ساتھ نذر کی ڈالیاں لاتے۔ ہم سب خاموشی سے شامیانے کے نیچے کھڑے ہو جاتے۔ بات کیا کھسر پھسر بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ سب اس انتظار میں کہ ابھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈپٹی کمشنر بہادر نمودار ہوں گے تو با جماعت کورنش بجالائیں گے۔ صاحب بہادر نشے میں مدہوش پڑے ہوتے، نئے سال کی آمد کی خوشی میں انہوں نے جام پر جام لنڈھائے ہوتے۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب ایک باوردی چوب دار چق اٹھا کر باہر آتا اور اعلان کرتا: ''صاحب بولا سلام ہو گیا'' اب ہم بڑے جوش وخروش سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے اور مبارک سلامت کا غلغلہ مچ جاتا۔ کمشنر بہادر تک ہم زمینداروں کی رسائی مشکل سے ہوتی تھی۔ ۱۹۴۶ء کے آخر میں ہمارے علاقے کے کمشنر نے ہمیں بلایا اور یہ خبر سنائی کہ انگریز نے ہندوستان چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ بس اس کے بعد ہم لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور پھر ہم نے پاکستان کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔''

یہ صرف پنجاب کے زمینداروں کا احوال نہیں، بلکہ سندھ کے وڈیروں، خیبر پختون کے خوانین اور بلوچستان کے سرداروں کی اکثریت کا تعلق بھی اسی قبیل سے تھا۔ یہی تو وہ لوگ تھے، جنہیں بابائے قوم نے کھوٹے سکے قرار دیا تھا اور قیام پاکستان کے بعد جن کی حرکتیں دیکھ کر مرحوم محسن بھوپالی چیخ اُٹھے تھے کہ ''منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔'' اس طبقے کے نمائندہ بلاول، علما کو پاکستان کی مخالفت کا طعنہ دیتے چنداں اچھے نہیں لگتے۔ آپ طالبان کو برا بھلا ضرور کہیں، انہیں سو بار قابل گردن زدنی قرار دیں۔ ان کی ''شریعت'' کا لاکھ بار انکار کریں، لیکن خدارا ہماری تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کریں کہ سندھ فیسٹیول کے نام پر تماشا لگا کر شہنشاہان روم کی تاریخ کو جس طرح دہرایا گیا، اس پر قوم کے دل پہلے ہی بہت زخمی ہیں۔ اس نازک وقت میں جبکہ پاکستان کی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ دن رات ہماری بربادیوں کے منصوبے بن رہے ہیں۔ ہر محبّ وطن پاکستانی یہ سوچ کر دامن پھیلائے ہوئے ہے کہ:

خدا سے خیر مانگو آشیاں کی
نظر بدلی ہوئی ہے آسماں کی

ایسے میں اس طرح کی اشتعال انگیز تقریریں قطعاً ملک وقوم کے مفاد میں نہیں ہیں۔ ارباب سیاست کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے، سیانے کہتے ہیں کہ تلوار کے زخم کی نسبت زبان کا گھاؤ زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ چلتے چلتے اگر جان کی امان پائیں تو ہم بلاول زرداری سے یہ سوال ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ وہ اپنے لندن والے انکل کی ''شریعت'' کو نہ ماننے کا اعلان کب کر رہے ہیں؟ کیا اب یہ بھی ہم ہی بتائیں کہ انکل کے لندن والے ان کی ''شریعت'' کے مطابق ہر وہ فعل جائز ہے جس سے انسانیت تھرّ ا اُٹھے؟

(مطبوعہ: روزنامہ ''اُمّت'' کراچی/حیدرآباد، ۲۱/فروری ۲۰۱۴ء)

© rasailojaraid.com